مسیح الملک حکیم اجمل خاں

اقبال احمد قاسمی

(۱۸۶۴ء۔۱۹۲۷ء)

خاندانی پس منظر

حکیم اجمل خان کے آباءواجداد کا وطن کاشغر تھا۔ اِس خاندان کے مورثِ اعلیٰ بابر بادشاہ کے ہمراہ تقریباً ۱۵۲۶ء میں ہرات سے ہندوستان آئے۔ علم و حکمت کا یہ کارواں سب سے پہلے سندھ میں خیمہ زن ہوا۔ عہدِ بابر تک یہ خاندان زیادہ تر امورِ سلطنت میں منہمک رہا۔ بعد ازاں اُن میں سے چند افراد کارُجحان سیاست سے مذہب کی طرف ہو گیا۔ چنانچہ اِس خاندان کے دو بزُرگ خواجہ ہاشم اور خواجہ قاسم حیدر آباد سندھ میں مشہور درویش گزرے ہیں۔ ان کے زہد و تقویٰ کی بناء پر ہندو اور مسلمان دونوں بکثرت اُن کے مرید تھے۔ اِن دونوں حضرات کے بعد مُلّا نورالدین علی قاری نے جو اپنے وقت کے اِمام تھے، اپنی علمیت اور مذہبیت کی وجہ سے شہرتِ عوام اور بقائے دوام پائی۔ آج تک لوگ اُن کی بیش بہا تالیفات و تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں۔

بقول مشہور پادری سی۔ ایف۔ اینڈریوز ملّا نورالدین علی قاری کے بیٹے حکیم محمد فاضل خاں نے سب سے پہلے میدانِ طبابت میں قدم رکھا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حکیم محمد واصل خاں (اوّل) عہدِ عالمگیر (۱۶۵۹ء۔۱۷۰۷ء) میں آگرہ سے دہلی آئے اور شاہی عہدۂ طبابت پر فائز ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد (۱۷۱۹ء۔۱۷۴۸ء) میں وفات پائی۔ اُن کے دو بیٹے حکیم اکمل خاں اور حکیم اجمل خاں (اوّل) ہوئے۔ محمد شاہ نے حکیم اکمل خاں کے حق میں نہ صرف اُن کے باپ کا منصب طبابت اور دو ۲ لاکھ کی جاگیر بر قرار رکھی بلکہ حاذق الملک کے خطاب سے مزید عزّت بخشی۔ بادشاہ کو اُن پر اِس قدر اعتقاد اور اعتماد تھا کہ شاہی خاصے پر روزانہ حکیم صاحب کی مہر لگتی تھی۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد جب احمد شاہ (۱۷۴۸ء۔۱۷۵۴ء) تخت نشین ہوا تو کسی بناء پر عتاب شاہی کے ماتحت جاگیر ضبط ہو گئی اور حکیم صاحب گوشہ نشین ہو گئے، لیکن چند ہی روز بعد فرمانِ عفو جاری ہوا مگر اکمل خاں نے جاگیریں لینے سے انکار کر دیا۔

حکیم اکمل خاں نے بھی اپنے ورثاء میں دو لائق و فائق فرزند حکیم محمد شریف خاں اور حکیم محمد سعید خاں چھوڑے۔ اُن میں حکیم شریف خاں نے ایسی شہرت و عظمت پائی کہ آگے چل کر یہ خاندان، خاندانِ شریفی کے نام سے مشہور ہوا۔ حکیم شریف خاں اِمام طِب ہونے کے علاوہ مختلف علوم و فنون کے عالم و فاضل بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں اور بے شمار دینی کتب، فقہ، اصولِ فقہ نحو و صرف و عقائد وغیرہ پر موصوف کا حاشیہ ہے۔ دربارِ شاہی میں بھی اُن کو بڑا مرتبہ اور اعزاز حاصل تھا۔ آپ کو اشرف الحکما کا خطاب اور ضلع پانی پت میں 25,000 کی جاگیر حاصل تھی۔ ۱۸۰۶ء اور بقول بعض مورّخین ۱۸۱۵ء میں وفات پائی۔ درگاہ حضرت قطب صاحب واقع مہرولی، دہلی میں مدفون ہوئے۔

حکیم اجمل خاں کی تاریخ پیدائش

حکیم حافظ محمد اجمل خان نے ۱۱ فروری ۱۸۶۴ء اور بعض مورّخین کے بقول ۱۷ شوّال ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۸۶۸ء کو دہلی کے ایک معزز گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد حکیم محمود خاں طبی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے، نیز آپ کے بھائی حکیم واصل خاں بھی ایک معروف طبیب تھے۔

حکیم صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد مولوی دائم علی کی شاگردی میں تین سال کی مدّت میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اِس کے بعد منطق و فلسفہ مولوی عبد الحق دہلوی (مؤلف تفسیر حقانی) اور مولوی عبد الرّشید سے، عربی ادب مولوی محمد طیب رامپوری سے اور دیگر علوم مرزا عبید اللہ بیگ اور حکیم مولانا جمیل الدین سے حاصل کئے۔ اِس کے بعد فنّ طِب کی طرف مائل ہوئے اور خاندان ہی کے ایک بزرگ حکیم غلام رضا خاں سے بو علی سینا کی معروف کتاب ''القانون فی الطب'' کا درس لیا۔ طِب کی تعلیم، معالجات اور مطب والدِ محترم اور بھائیوں سے سیکھے، طب سے دلچسپی اور ذاتی محنت اور حذاقت کی بنا پر ۱۸۹۲ء میں ریاست رامپور کے طبیب خاص (میڈیکل آفیسر) کے عہدہ پر فائز ہو کر نواب رامپور محمد حامد علی خان کی خدمت میں چلے گئے اور آپ نے نو سال تک اس عہدہ پر کام کیا۔ وہاں آپ کو علمی ذوق کی سیرابی کے لئے وسیع میدان ملا۔ ریاست کے قدیم اور بے مثل کتب خانہ کا اہتمام بھی آپ ہی کے سپرد کیا گیا۔ ۱۹۰۲ء تک آپ اِس عہدہ پر فائز رہے۔ بعد میں آپ نے دہلی میں اقامت پذیر ہو کر گوناگوں طبّی خدمات انجام دیں اور فنّ طِب کی تعمیر و ترقی کی طرف عملی طور پر متوجہ ہوئے۔

یوں تو ہندوستان میں بہت سی شخصیات گزری ہیں لیکن جو شہرتِ دوام مرحوم اجمل خان کو ملی وہ کم ہی لوگوں کے حصے میں آئی۔ حکیم صاحب ایک بے باک سیاست دان، ہمدردِ قوم، محقّق، مصنّف، مربّی، منتظم، حاذق، معالج اور نامور طبیب تھے۔ آپ کی علمی صلاحیتوں اور فنّی لیاقتوں کے اعتراف میں حکومتِ ہند نے ۱۹۰۸ء میں ''حاذق الملک'' کے خطاب سے نوازا، طبّی خدمات کے اعتبار سے حکیم اجمل خان کو یونانی طِب کی نشاۃِ ثانیہ کا علم بردار سمجھا جاتا ہے۔ مغلیہ عہد کے اطبّا کی غیر تحقیقی روِش اور یونانی طِب کی کس مپرُسی کو دیکھتے ہوئے آپ نے اپنے مطب اور دیگر سیاسی و سماجی مصروفیات کے ساتھ طِب کی ترقی کے لئے متعدد کوششیں کیں، مثلاً تحقیقی و تعلیمی اِداروں کا قیام، ویدوں اور حکیموں کے لئے ایک متحدہ پلیٹ فارم تیار کرنا، ادویہ کی فراہمی کے لئے ہندوستانی دواخانہ کا قیام اور طِب کے مختلف موضوعات پر گراں قدر تحریریں آپ کی وہ عظیم طبّی یادگار ہیں جن کی وجہ سے یونانی طبّی دنیا ہمیشہ آپ کی احسان مند رہے گی۔ حکیم اجمل خان متحدہ ہندوستان کی جنگِ آزادی کے صفِ اوّل کے مجاہدین میں بھی شمار ہوتے ہیں، آپ مسلم لیگ کے سرگرم رکن اور نائب صدر کے علاوہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات سے بھی وابستہ رہے۔ مسلم لیگ کے اِجلاس میں صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے آپ نے پہلی بار ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کرنے کے لئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی ترک کر دیں۔

حکیم اجمل خان پاکیزہ اوصاف کے حامل نہایت بردبار و سنجیدہ، متحمل مزاج اور ہمدرد اِنسان تھے۔ اِنہی خوبیوں کے باعث آپ عوام و خواص میں یکساں مقبول اور ہر دِل عزیز تھے۔ گاندھی جی اور پنڈت جواہر لعل نہرو سے آپ کے ذاتی تعلقات تھے۔ آپ عرصہ تک انڈین نیشنل کانگریس سے وابستہ رہے، جنگِ آزادی روز افزوں تھی۔ فرنگی اقتدار سے ملک کو بازیاب کرانے کے لئے حکیم صاحب کے عزائم بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ اِسی اثناء میں موہن داس کرم چند گاندھی نے آپ کو صدا دی، آپ نے گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہا اور جنگِ آزادی کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ آپ کی سیاسی چابک دستیوں کے تذکرے سے گاندھی جی، شری راج گوپال آچاریہ، آر۔ ٹی۔ پارتھاسارتھی، بی۔ آر۔ نندا اور دوسری اہم شخصیتوں کی تحریریں بھری پڑی ہیں۔

حکیم صاحب کو مطالعہ اور کتب بینی کا شوق بچپن ہی سے تھا، خاص طور پر طبّی کتب سے دلچسپی کا یہ حال تھا کہ آپ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے، آپ ایک اچھے ادیب، بہترین مقرّر اور طلیق اللّسان شاعر بھی تھے۔ شیدا تخلّص کرتے تھے، شوقِ مطالعہ اور ذوقِ جستجو نے علمِ طِب میں مہارت عطا کی۔ ۱۹۱۱ء میں حکیم صاحب نے برطانیہ کا سفر کیا، لندن کے اسپتال اور میڈیکل کالج کا معائنہ کیا، پھر پیرس، برلن اور استنبول کا سفر طے کرتے ہوئے واپس ہندوستان آئے۔

آپ نے طبّی نصابی کتابوں کی اِصلاح کی جانب توجہ کی۔ مدرسہ طبِیّہ میں اُس وقت جو نصاب چل رہا تھا، اُس کو عصری تقاضوں کے مطابق بنایا۔ آپ کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ اوائل ۱۹۲۷ء میں طبّی کانفرنس منعقدہ رامپور میں جس کی صدارت نواب رامپور کر رہے تھے، نصاب پر نظر ثانی کے لئے دہلی، لاہور اور لکھنؤ میں تین کمیٹیوں کا تقرر ہوا۔

یونانی طریقۂ علاج میں جدید طبّی انکشافات و ترقیات شامل کر کے آپ نے اِس میں جان ڈال دی اور ہندوستانی دواخانہ میں جدید طریقۂ دوا سازی کو رائج کیا۔

یونانی ادویہ کو جدید سائنسی اصولوں پر پرکھنے کے لئے آپ نے کالج میں ریسرچ کا شعبہ قائم کیا۔ اِس شعبہ میں اسرول نامی دوا پر جو ریسرچ ہوئی اور اُس کے جوہرِ فعال جدید اصولوں سے علیحدہ کئے گئے اُن کا ذکر مغربی مصنّفین بھی شناختِ ادویہ پر اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔

حکیم اجمل خان کی سیاسی زندگی کا آغاز

۱۹۰۵ء میں تقسیمِ بنگال کے اعلان کے بعد جب ہندوستان کی انگریزی حکومت شورِش سے متاثر ہو کر اِس فکر میں تھی کہ مسلمانوں کو اپنے انعام و اِکرام کے ذریعہ قابو میں رکھے اور ہندوؤں کی بڑھتی ہوئی تحریک میں شامل نہ ہونے دے، اِن حالات میں نواب وقار الملک نے مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کی ایک فہرست پیش کر کے گورنر جنرل سے کچھ وعدے لئے، اُنہوں نے ۱۹۰۴ء میں ڈھاکہ میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں نواب ڈھاکہ نے مسلم لیگ کے قیام کی تجویز پیش کی اور حکیم اجمل خان نے اِس کی تائید کی گویا کہ مسلم لیگ کا قیام نہ صرف یہ کہ حکیم اجمل خان کی سیاسی زندگی کا آغاز تھا بلکہ یہی زمانہ دراصل مسلمانوں کی قومی جدّوجہد کے دور میں ایک نئے باب کا اِضافہ بھی تھا۔ آئین میں اِصلاحات اور اپنے حقوق کے مطالبات کی یہ پہلی کڑی تھی جس نے ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک کے انقلاب کی بنیادیں استوار کیں اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کی بنیادیں بھی مضبوط کیں۔ اِس درمیانی زمانہ کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ لیگی سیاسی زندگی کے دو الگ الگ ادوار ہیں: ایک وہ دَور ہے جو ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا اور ۱۹۱۸ء میں ختم ہوا اور دوسرا وہ جو ۱۹۱۹ء میں علی برادران کی رہائی کے بعد سے شروع ہوا اور بالآخر مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں ملک کی تقسیم تک جاری رہا۔ اجمل خان پہلے دَور کے ایسے رہنما تھے جنہوں نے اُس دور کی ابتداء سے انتہا تک مسلم لیگ کا ساتھ دیا لیکن دوسرے دور کے آغاز سے ہی کانگریسی سالارِ قافلہ کے ہم رکاب ہو گئے۔

حکیم اجمل خان کی سماجی و ملّی خدمات

حکیم صاحب نے اپنی زندگی کے بیش بہا اوقات میں سے ایک معتدبہ حصہ مختلف اِداروں، جامعات و کالجوں، سوسائٹیوں اور فلاحی تنظیموں کی سرپرستی اور خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اِن اہم اِداروں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ بھی شامل ہیں۔ آپ ۱۸۹۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ٹرسٹیوں میں شامل رہے، اِس کے علاوہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ، نظارۃُ المعارف دہلی، جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ وغیرہ کے استحکام میں بھی ہمیشہ سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

میگنیٹ آف اِنڈیا

حکیم صاحب کی ذات ہندو مسلم اتحاد کی علامت بھی تھی اور مرکز بھی۔ انگریزوں کے مشہور پادری مسٹر سی۔ ایف۔ اینڈریوز نے جو حکیم صاحب کی خدمت میں آکر حاضر ہوتے تھے، حکیم صاحب کے مطب کی ایک نہایت دلکش تصویر کھینچی ہے۔ سیّد یوسف بخاری نے اُن کا یہ بیان اِس طرح نقل کیا ہے۔ ”میری پرورِش اینگلو انڈین لوگوں میں ہوئی تھی اور میرے دِل و دماغ میں یہ خیال ٹھونس دیا گیا تھا کہ ہندو و مسلمانوں کے درمیان مذہب اور ذات پات کی وجہ سے ایک ایسی بڑی خلیج حائل ہے جو کسی طرح پُر نہیں ہو سکتی، لیکن

لندن سے دہلی آنے پر جب میں نے حکیم صاحب کا روزانہ مطب کا نقشہ دیکھا تو کیا عرض کروں کہ میرا اعتقاد بالکل پاش پاش ہو گیا۔" لارڈ ہارڈنگ کے پرائیویٹ سکریٹری کو حکیم صاحب کے مطب میں آنے کا اتفاق ہوا۔ اُنہوں نے جب یہ دِلکش منظر دیکھا تو لارڈ ہارڈنگ سے جا کر کہا: "حکیم صاحب بلاشبہ میگنیٹ آف اِنڈیا ہیں۔" حکیم صاحب کا دیوان خانہ دہلی کی سماجی زندگی کا مرکز بن گیا تھا اور دہلی ہی کیوں پورے ملک کی منتخب روزگار شخصیتیں حکیم صاحب کی تاریخی صحبتوں اور محفلوں میں شریک ہوتی تھیں۔

کانگریس اِجلاس منعقدہِ احمد آباد کی صدارت

۱۹۱۲ء میں اُنہوں نے احمد آباد میں کانگریس کے جلسے کی صدارت فرمائی جس میں مولانا فضل الحسن حسرت موہانی نے مکمل آزادی کا ریزولوشن (Resolution) پیش کیا۔ ملک کے سیاسی و معاشرتی اُفق پر حکیم اجمل خان ایک قوم پرست رہنما کی حیثیت سے اُٹھے اور اپنے عہد کی پوری قومی زندگی پر چھا گئے۔ خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں وہ ملک کے پہلے لیڈر تھے جنہوں نے حکومتِ برطانیہ کے عطا کئے ہوئے تمام اعزازات و خطابات واپس کئے۔ قومی تعلیم کا مسئلہ سامنے آیا تو اُنہوں نے جامعہ ملّیہ اِسلامیہ کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اِس اِدارے کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کرنے والے حکیم صاحب ہی تھے جو اِس کے اوّلین چانسلر رہے۔ اُنہوں نے طبِیّہ کالج کے ساتھ جامعہ ملّیہ اِسلامیہ کے جملہ امور کی نگرانی کی۔ اُس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ بے قرار رہتے تھے۔

طبِّ یونانی مسائل اور وسائل میں خاور ہاشمی لکھتے ہیں:

"حکیم اجمل خان صاحب مروّجہ اصطلاحی مفہوم میں سیاسی لیڈر نہیں تھے۔ اُنہوں نے قومی زندگی میں بعض اعلیٰ آدرشوں کی تکمیل کے لئے قومی جدوجہد میں حصہ لیا۔ غلامی سے نجات، ہندو مسلم اتحاد، علوم و فنون کی بقاء اور ترقی کا مشن اُن کے سامنے تھا۔ اُن کے عہد میں اقتدار پرست سیاست کا تصوُّر پیدا نہ ہوا تھا۔ یہ سارے جھگڑے اور الجھنیں تو آزادی کے بعد پیدا ہوئیں۔ بقول سیّد یوسف بخاری:
"حکیم صاحب کو خدمتِ خلق اور ذوقِ مطالعہ کے سِوا کوئی دوسرا شوق ہی نہ تھا۔ ذاتی کتب خانہ کے علاوہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ اور رامپور کا شاہی کتب خانہ بھی اُن کی علمی پیاس بجھانے کے لئے ناکافی تھا۔" حکیم صاحب سیر و سیاحت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ اِس سفر میں بھی اُن کی دلچسپی کی خاص چیزیں اور تحائف صرف کتابیں تھیں یا طبِّی کالجوں، شفاخانوں اور دواسازی کے کارخانوں کا معائنہ اور سیر تھی۔"

یونانی طبِّی کانفرنس اور دیگر اِداروں کا قیام

حکیم صاحب کے دلِ دردمند نے سب سے پہلے محلہ چتلی قبر میں یتیم اور بے سہارا بچوں کے لئے معید الاسلام کے نام سے ایک "یتیم خانہ" قائم کیا جو اُن کے دور میں بہترین انتظامات کے ساتھ چلتا رہا۔ بایں ہمہ آپ کی گراں قدر سیاسی و سماجی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت کا طبِّی پہلو ہر چیز پر بھاری رہا اور طِب کی ترویج و ترقی اور اُس کے احیاء کے لئے آپ نے کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ ۱۹۱۰ء میں آپ نے آل اِنڈیا آیورویدک اینڈ یونانی طبِّی کانفرنس قائم کی جس کا مقصد اُس میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ کے خلاف احتجاج کرنا تھا جس کی رُو سے گورنمنٹ نے صرف اُسی شخص کو علاج و معالجہ کی اِجازت دی تھی جو یورپ یا ہندوستان کی کسی مسلّمہ یونیورسٹی سے منظور شدہ اور سند یافتہ ہو۔

حکیم صاحب ایک اچھا طبِیّہ کالج، فارمیسی کالج اور ایک بے مثال تحقیقی اِدارہ قائم کرنا چاہتے تھے، چنانچہ آیورویدک اینڈ یونانی طبِّی کالج قرول باغ، ہندوستانی دواخانہ اور مجلس تحقیقات نیز مدرسہ زنانہ اُن کے خوابوں کی زندہ تعبیریں ہیں۔

سفر لندن اور میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ

۱۹۱۰ء میں پاس ہونے والا میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ دراصل برطانوی حکومت کی طرف سے دیسی طبوں کے خلاف ہونے والا ایک زبردست چیلنج تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ دیسی طبیں وحشی اور جنگلی ہیں اور عام انسانیت کے لئے یہ طریقہ ہائے طبِ مہلک اور نقصان دہ ہیں۔ اِس بل کے پاس ہوتے ہی حکیم اجمل خان حکومت سے دست و گریباں ہو اُٹھے اور اُسی وقت اُنہوں نے لندن کا سفر شروع کر دیا۔ اُس وقت برطانیہ کا شاہی تاج جارج پنجم کے سر کی زینت تھا۔ شہنشاہ جارج پنجم کو جب حکیم اجمل خان کی بکنگھم پیلیس میں آمد کا پتہ چلا تو اُنہوں نے اپنی خفیہ ایجنسی کے ذریعہ حکیم صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کرائیں۔ ہندوستانی ایجنسی نے یہ رِپورٹ بھیجی کہ حکیم صاحب دہلی کے بے تاج بادشاہ ہیں اور دہلی کے عوام کے دِلوں پر اُن کی حکومت ہے۔ اِس پر جارج نہ صرف یہ کہ حکیم صاحب سے مل کر مطمئن ہوئے اور اُن کی ساری باتیں مان لیں بلکہ لارڈ ہارڈنگ کو خط لکھا کہ حکیم صاحب کو دہلی میں کالج قائم کرنے کے لئے مناسب جگہ مرحمت کی جائے اور اُن کو جملہ سہولیات فراہم کی جائیں۔

قرول باغ طبِیّہ کالج کا قیام

۱۹۱۱ء میں آپ نے یورپ کے سفر سے واپسی کے بعد اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ہندوستانی دواخانہ اور مدرسہ طبِیّہ میں چند اہم اصلاحات کیں اور مدرسہ طبِیّہ کی توسیع کے لئے قرول باغ میں ایک بڑا رقبہ زمین حکومت سے حاصل کر کے ۲۹/مارچ ۱۹۱۶ء کو لارڈ ہارڈنگ وائس رائے آف اِنڈیا سے طبِیّہ کالج کا سنگِ بنیاد نصب کرایا۔ جب کالج کی عالی شان عمارت تقریباً گیارہ لاکھ روپیوں کے خطیر صرفہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچی تو ۱۹۲۱ء میں اِس کا افتتاح گاندھی جی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں آپ نے کالج میں ریسرچ کا شعبہ قائم کیا جس کا مقصد قدیم طبِّی نصابی کتابوں کی تنقیح و تہذیب اور ادویۂ مفردہ کی جدید سائنسی بنیادوں پر جانچ پڑتال اور تحلیل و تجزیہ تھا۔ دراصل ادویہ مفردہ کی بہم رسانی اور مرکب دواؤں کی تیاری کے لئے حکیم واصل خاں نے انیسویں صدی میں ہی یونانی اینڈ آیورویدک میڈیسن کمپنی قائم کر دی تھی۔ یہ کمپنی حکیم واصل خاں اور حکیم اجمل خاں دونوں کے مشترکہ سرمایہ سے قائم کی گئی تھی جو بعد میں ہندوستانی دواخانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہندوستانی دواخانہ کے قیام کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یونانی ادویہ کو جو اپنی شکل و صورت اور ظاہری حیثیت کے لحاظ سے عجیب و غریب نظر آتی ہیں اُن کو جدید شکل دی جائے چنانچہ اُنہوں نے جوارِش زرعونی اور بعض دیگر ادویہ مرکبہ کو ٹیبلیٹ کی شکل میں ہندوستانی دواخانہ میں تیار کرایا اور مریضوں کو پیش کیا۔ ہندوستانی دواخانہ کی نگرانی ۱۹۰۳ء میں حکیم اجمل خاں کے سپرد ہوئی تھی۔

مدرسہ دائیان اور مدرسہ طبِیّہ زنانہ کا قیام

۱۹۰۶ء میں آپ نے مدرسہ دائیان کی تحریک چلائی تاکہ اَن پڑھ اور ناواقف کار دائیوں کی وجہ سے جو نقصان عامۃ النِّساء کو پہنچ رہا ہے اُس کا تدارک کیا جاسکے۔ اِس کوشش کے نتیجہ میں ۱۹۰۸ء میں دہلی میں ”مدرسہ طبِیّہ زنانہ“ کا قیام عمل میں آیا۔ حکیم صاحب کا یہ بھی خیال تھا کہ اطبّا میں تقلیدِ جامد کا رجحان فی الحقیقت طبِ کی راہ میں ایک بڑی رُکاوٹ ہے اِس کو دور کئے بغیر یا بالفاظِ دیگر طبِ کی تجدید و اِصلاح کئے بغیر طبِ کی ترقی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، چنانچہ آپ نے طبِ کی تجدید و تحقیق پر بہت زیادہ زور دیا اور ایک ”مجلسِ علمی“ قائم کی جس میں حکیم محمد اِلیاس خاں دہلوی، حکیم کبیر الدین بہاری، حکیم عبد الحفیظ، حکیم فضل الرّحمٰن اور ڈاکٹر سیّد ناصر عبّاس بہ حیثیت رکن اِس کمیٹی میں شامل رہے جب کہ حکیم صاحب موصوف خود اِس کے صدر اور حکیم محمد اِلیاس خان مرحوم اِس کے سکریٹری تھے۔ مسیح الملک کی رحلت کے بعد بھی ۱۹۳۲ء تک یہ کمیٹی اپنا کام کرتی رہی۔

عربی زبان میں مہارت

مفتی کفایت اللہ کا بیان ہے کہ حکیم اجمل خان کو عربی میں اِس قدر کمال تھا کہ بلاتکلّف عربی بولتے تھے اور عربی نظم و نثر لکھتے تھے۔ عربی جاننے والوں سے وہ عربی میں مکاتبت اور مراسلت کرتے تھے۔ میری خط و کتابت اُن سے عربی میں ہوتی تھی۔ اگر اتفاق سے میں نے اُردو میں کوئی خط بھیج دیا تو جواب عربی میں دیتے تھے اور اُردو میں خط لکھنے کی شکایت کرتے تھے۔" اُن کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کے عربی خطوط کا ایک وافر ذخیرہ اُن کے پاس موجود تھا۔

حکیم نذر احمد کے مطابق علی گڑھ کے عربی کے جرمن پروفیسر نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "ہندوستان میں عربی ادب کے ماہر صرف دو شخص ہیں: ایک مسیح الملک حکیم اجمل خان اور دوسرے کلکتہ کے ایک صاحب۔"

حکیم اجمل خان کی شاعری

حکیم صاحب عربی اشعار بھی کہتے تھے۔ اُن کا عربی کا غیر مطبوعہ کلام موجود تھا۔ رموز الاطباء میں بعض عربی اشعار شائع ہوئے ہیں۔ عربی ادب کے علاوہ رامپور میں اُنہیں فارسی میں بھی مہارت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ریاست کے اساتذۂ باکمال کی صحبتیں اُنہیں میسّر آئیں جس سے نہ صرف ادب اور تصنیف و تالیف بلکہ شعر و سخن کا بھی ذوق پیدا ہوا اور تینوں زبانوں میں اُنہوں نے طبع آزمائی کی (بہ حوالہ رسائل مسیح الملک)۔

ادویہ پر ریسرچ و تحقیق کا منصوبہ

حکیم اجمل خان نے ادویہ مفردہ و مرکّبہ دونوں پر ہی بہت منصوبہ بند طریقے سے ریسرچ و تحقیق کرانے کا آغاز کیا جس کی غرض یہ تھی کہ یونانی ادویاتی خزانہ کو جدید تحقیقات اور آلات و وَسائل کی مدد سے برِّصغیر سے نکال کر اہلِ مغرب کو بھی اِس کی اہمیت و افادیت سے روشناس کرایا جاسکے جس کے لئے اُنہوں نے ڈاکٹر سلیم الزّماں صدیقی کو منتخب کیا۔

حکیم اجمل خان نے ڈاکٹر سلیم الزّماں صدیقی کو ایک یونانی دوا جو اسرول یا چندن بوٹی Rauwolfia serpentina کے نام سے مشہور ہے، دی اور فرمائش کی کہ اِس پر تفصیل سے تحقیقی کام کیا جائے، جس پر ڈاکٹر صدیقی نے کئی سالوں تک انتھک محنت و لگن کے ساتھ کام کیا، اسرول ایک عمدہ اور مجرّب دوا تھی جو فشار الدم کے لئے عرصہ سے مستعمل تھی، کئی برسوں کی ریسرچ و تحقیق کے بعد اُنہوں نے طِب میں ایک نئے باب کا اِضافہ کیا اور بہترین دافع فشار الدم Drug Anti hypertensive کے طور پر serpasil منصّۂ شہود پر آئی۔ حکیم صاحب کی زندگی میں یہ کام پایۂ تکمیل تک تو نہ پہنچ سکا البتہ ۱۹۳۲ء میں سلیم الزّماں صدیقی نے اپنی جو تحقیقات پیش کیں اُن میں الکلائڈز (Alkaloids) معلوم کئے اور حکیم صاحب کی ذاتِ گرامی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے طور پر اُن کو حکیم صاحب کے نام سے منسوب کیا۔ اُن میں اجملین، اجملینین، نیو اجملین، آئیو اجملین، اجملینین وغیرہ شامل ہیں۔ دنیائے طِب کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو حکیم صاحب کی عبقری شخصیت کے ایک معمولی پہلو کی ترجمانی کرتا ہے۔

حکیم اجمل خان بنیادی طور پر ایک طبیب تھے۔ اُن کے آباء و اجداد طبیب تھے۔ اُنہوں نے فنِّ طِب اِس طرح سیکھا جس طرح مچھلی پیدا ہوتے ہی پانی میں تیرنا سیکھتی ہے۔ حکیم اجمل خان نے صرف اِسی پر اکتفا نہیں کیا جو اُنہیں وِرثہ میں ملا تھا، اُنہوں نے اِس فن کو ہر پہلو سے ترقی دے کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اُن کے عہد میں طبّی تعلیم افراد اور خاندانوں تک محدود تھی۔ اِس لئے باقاعدہ کالجوں اور مدرسوں کا رِواج نہ تھا۔ قدیم نظامِ تعلیم میں دیگر علوم کے ساتھ طِب بھی پڑھائی جاتی تھی۔ خاندانی اور رِوایتی طبیبوں کے مطب مریضوں کے علاج کے مرکز ہوتے تھے۔ یہ زمانہ تھا جب جدید میڈیکل سائنس کا رِواج شروع ہو رہا تھا جسے انگریزوں کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی۔ انگریز ایک پالیسی کے تحت ہندوستان کے فنّی اور تہذیبی ورثوں کو مٹاتے جا رہے تھے۔ وہ دیسی طِبّوں کو پسند نہیں کرتے تھے اور اُنہیں غیر سائنٹفِک طریقے قرار دیتے تھے۔ چنانچہ بمبئی پریزیڈ ینسی میں ایک قانون پاس ہوا جس کے ذریعہ ملک کے دیسی

معالجین پر پابندی لگادی گئی۔ حکیم صاحب بے قرار ہو اُٹھے۔ اُنہوں نے تمام ملک کے ویدوں اور طبیبوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور اِس قانون کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ برطانوی سامراج سے حکیم صاحب کا پہلا براہِ راست ٹکراؤ دیسی طِبّوں کے سقُوط کے لئے ہوا۔ اُنہوں نے ۱۹۱۰ء میں آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ بالآخر حکیم صاحب کو کامیابی ملی۔ اُنہوں نے آیورویدا ور یونانی طِب کی تعلیم کی جدید میڈیکل سائنس کے پیشِ نظر معیار بندی کا کام شروع کیا مدرسہ طبِیّہ تو بہت پہلے قائم ہو چکا تھا لیکن اِسے باقاعدہ کالج بنانے کا عمل اب شروع ہوا۔ حکیم صاحب نے طبّی تعلیم کے لئے باقاعدہ نصاب مرتب کرائے۔ یورپ کا دورہ کر کے وہاں کی میڈیکل ایجوکیشن اور اسپتالوں کا قریب سے جائزہ لیا۔

قرول باغ میں نو تعمیر شدہ طبِیّہ کالج کی عمارت کا افتتاح

۱۹۱۲ء میں مہاتما گاندھی نے طبِیّہ کالج کی عمارت کا افتتاح کیا۔ اِس کالج میں حکیم صاحب نے آیورویدک اور یونانی کو مساوی درجہ دیا اور دونوں طِبّوں کی تعلیم وتربیت کے لئے یہ کالج ایک مرکز بن گیا۔ حکیم صاحب نے دیسی طِبّوں میں ریسرچ کی ضرورت کو شِدّت سے محسوس کیا اور جدید سائنٹِفک پیمانے پر ریسرچ کے دروازے کھولے۔ طِبِّ یونانی کا تمام لٹریچر فارسی اور عربی میں محفوظ تھا اور اِن دونوں زبانوں کا چلن ختم ہوتا جارہا تھا۔ اِس لئے حکیم صاحب نے مروّجہ زبان اُردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا اور اِس کے ساتھ ہی ترجمہ کی ضرورت بڑی شِدّت سے محسوس کی۔ عربی اور فارسی میں محفوظ طبّی ذخائر کو تیزی سے اُردو میں منتقل کرایا گیا تاکہ طلباء اپنے فن کے کلاسیکی لٹریچر اور قدیم تجربات سے براہِ راست استفادہ کر سکیں۔ حکیم اجمل خان نے دیسی دواسازی پر خاص توجہ کی اور بدلتے ہوئے زمانے کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھا اور ۱۹۰۴ء میں "ہندوستانی دواخانہ" قائم کیا جس نے تیزی سے ترقی کی۔ اِس سے ایک طرف تو خالص، مجرّب اور مؤثر دوائیں مریضوں کو دستیاب ہونے لگیں اور دوسری طرف اِس کی آمدنی سے طبِیّہ کالج کے مالی مسائل حل ہوئے۔ دوا خانے کی ہزاروں روپے کی آمدنی کالج کی کفالت کے لئے وقف کر دی گئی۔

حکیم صاحب کی رحلت کے بعد اُن کے جانشینوں نے اِس مشن کو کسی نہ کسی طرح جاری رکھا اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ امید تھی کہ قومی حکومت اِس محسنِ قوم کے ورثوں پر خاص توجہ دے گی اور اُن کے نامکمل مشن کو پورا کرے گی لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں طبِیّہ کالج ایکٹ پاس ہوا جس کے تحت طبِیّہ کالج اور ہندوستانی دواخانے کے انتظام وانصرام کی ذمّہ داری بورڈ آف ٹرسٹیز سے لے کر نو تشکیل طبِیّہ کالج بورڈ کے سپرد کر دی گئی۔ اُس زمانے میں ہندوستانی دواخانے کی خالص آمدنی اِتنی تھی کہ اُس سے طبِیّہ کالج کے اخراجات کی تکمیل ہو رہی تھی۔ طبِیّہ کالج ایکٹ ۱۹۵۲ء کے تحت جو بورڈ بنایا گیا اُس کی ذمّہ داریوں میں مندرجہ ذیل تین امور لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہیں:

(الف) آیورویدک اینڈ یونانی سسٹم آف میڈیسن کی تعلیم وتربیت اور ریسرچ کی ترقی کے لئے اور اُس کے معیار کو قائم کرنے کے لئے یہ بورڈ ذمّہ دار ہو گا۔

(ب) ہندوستانی دواخانہ ورسائن شالہ کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی ذمہ داری بورڈ ہی کی ہو گی۔

(س) اِس بورڈ کی یہ بھی ذمّہ داری ہو گی کہ کالج سے متعلق تمام اثاثوں و آراضیوں کو مقاصد (الف) اور (ب) کے تحت اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے اور اُن کا انتظام کرے۔

لیکن جناب خاور ہاشمی کے الفاظ میں کڑوی سچائی کچھ اِس طرح ہے:

"اب ذرا زمینی صورتِ حال پر غور کیجئے۔ ۱۹۵۲ء سے اب تک اِس بورڈ کی نگرانی میں ہندوستانی دواخانہ مکمل طور سے تباہ ہو چکا ہے۔ لوگ اِس کا نام بھول چکے ہیں۔ چند لوگ جو وہاں ملازم ہیں اُن کا کام دواسازی نہیں صرف اِس کے دروازوں کو کھلا رکھنا ہے۔ اِس عظیم و

قدیم دواخانے میں حقیر مقدار میں جو دوائیں بنتی ہیں وہ شفاخانہ طبیّہ کالج کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے بھی ناکافی ہیں۔ مختصر یہ کہ ہندوستانی دواخانے میں در و دیوار، ایک بوسیدہ سائن بورڈ اور حکیم اجمل خان کی ایک تصویر کے سِوا اب کچھ باقی نہیں ہے۔"(۱۳)

خاور صاحب مزید لکھتے ہیں:

"آیورویدک اینڈ یونانی طبّیہ کالج میں تعلیم و تربیت اور ریسرچ کی کہانی اِس سے بھی زیادہ افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے۔ کالج کیمپس کے ایک بڑے حصے پر پارک بنادیا گیا ہے جس میں حکیم صاحب کا ایک مجسّمہ درسِ عبرت کے لئے لگا ہوا ہے۔ باقی ماندہ کچھ حصے پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں لیکن ضرورتوں کے لئے جو عمارت خود مسیح الملک نے تعمیر کرائی تھی اُس میں ایک اِنچ بھی اِضافہ نہیں ہوا کیونکہ اِس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ ضرورت اُس وقت ہوتی جب تعلیم و تربیت کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی۔ تعلیم کا معیار اور اُس سے دلچسپی بتدریج کم ہوتی جارہی ہے۔ رفتہ رفتہ کالج کیمپس علم و فضل کا مرکز ہونے کے بجائے گھٹیا سیاست کا اکھاڑہ بننے لگا چونکہ بورڈ کی لگام سیاسی کارِندوں کے ہاتھ میں رہی اِس لئے اِس کے اثرات سے کالج کے اساتذہ اور پھر طلباء بھی محفوظ نہیں رہے۔ گروہی مفادات کی کھینچ تان میں کالج کے مفادات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا، کالج میں پوسٹ گریجوئیٹ کلاسز کے لئے جب بھی تحریک اُٹھی وہ گروہ بندی کا شکار ہو کر ختم ہو گئی۔ اِس کالج کے عظیم بانی نے یونانی اور آیورویدک میں ریسرچ کے جو دروازے کھولے تھے، اُنہیں بند کر دیا گیا۔ تازہ ہواؤں کے نہ ملنے سے علمی اور فنّی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ سیاسی لیڈروں کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ مسیح الملک کے یومِ وفات پر فاتحہ اور گل پوشی کے بہانے اُس قبرستان کا حالِ زار دیکھ لیتے۔"

حکیم صاحب رئیسانہ مزاج اور شاہانہ سطوت کے حامل تھے۔ اُن کا مطب ایک مثالی مطب تھا جس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اِس دور میں حکیم صاحب خاص مریضوں کو دیکھنے کی فیس مبلغ 1000/- روپے لیا کرتے تھے لیکن دوسری طرف اُن کے دِلِ درد مند میں، ضعیفوں، ناداروں اور محتاجوں کے لئے وسیع جگہ تھی، چنانچہ صدر بازار دہلی میں جہاں حکیم صاحب کا مطب ہوتا تھا وہاں آپ بلا معاوضہ عام مریضوں کو بھی دیکھا کرتے تھے اور اُن کے لئے نسخے تجویز فرماتے تھے۔ اُن کا مطب صبح سویرے سے شروع ہو کر شام کے پانچ بجے تک چلتا تھا۔ حکیم صاحب موصوف صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے لیکن دوسری جانب اُن کا ذہن و دماغ ذوقِ لطیف سے بھی پیراستہ تھا، چنانچہ کبھی کبھی نمازِ مغرب کے بعد ہی اُن کی رہائش گاہ پر سازندوں کے طائفے آتے، محفلِ رنگ و بو جمتی، شبِ رعنا جوان ہوتی اور محفلِ سرُور سے حکیم صاحب محظوظ ہوتے۔ اُن کی سارے دِن کی انتھک محنت، جدوجہد اور جسمانی و ذہنی تکان کے لئے اِس قسم کی محفلوں کا انعقاد ضروری خیال جاتا تھا۔

حکیم اجمل خان کو اپنے فن کی عظمت اور یونانی ادویہ سے علاج و معالجہ پر بڑا ناز تھا۔ اُن کو اپنی تشخیص اور معالجہ پر کس قدر اعتماد تھا، اِس کا اندازہ حکیم صاحب کی زندگی کے مختلف واقعات تشخیص و علاج کا مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جنگِ آزادی کے مشہور رہنما اور اپنے وقت کے بڑے سرجن ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم کی یہ تحریر یاد رکھنے کے لائق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حکیم اجمل خان صاحب سے میری پہلی ملاقات لندن میں ہوئی تھی جب میں "چیرنگ کراس اسپتال" میں ہاؤس سرجن تھا۔ حکیم صاحب بغرض سیاحت لندن تشریف لائے تھے، اُن کو لندن کے مشہور اسپتال کے معائنہ کا شوق تھا۔ "ڈاکٹر اسٹیلے بائیڈ" چیرنگ کراس اسپتال کے مشہور سینئر سرجن تھے اور بادشاہ کے بھی وہ آنریری سرجن تھے۔ تشخیصِ امراض اور فنّ سرجری میں لندن میں یہ مسلّم اُستاذ سمجھے جاتے تھے، میں اُنہی کا ہاؤس سرجن تھا۔ حکیم صاحب سے اُن کی ملاقات میں نے کرائی۔ اُنہوں نے حکیم صاحب کو ایک روز اپنے اسپتال میں اپنے کلینکل سرجری کلاس میں دعوت دی۔ ایک مریض کے متعلق ڈاکٹر بائیڈ طلباء کو سمجھا رہے تھے۔ حکیم صاحب سے بھی اُنہوں نے مریض کو دیکھنے اور تشخیص کرنے کی خواہش کی، نبض اور دیگر معائنوں کے بعد حکیم صاحب نے تشخیص کیا کہ مریض کی آنتوں کے ابتدائی حصہ میں کہنہ زخم ہے جس کے باعث درد کی تکلیف، یرقان اور حرارت ہے۔

ڈاکٹر بائیڈ کی رائے میں وہ پت کی تھیلی کا وَرم تھا۔ اُنہوں نے حکیم صاحب کو نہایت حُق و اِصرار سے دوسرے روز صبح کو بھی مریض کے آپریشن کے وقت بلایا اور ہنس کر کہا کہ یہ طبِّ یونانی اور انگریزی طِب کا امتحان ہے۔ آپریشن سے پتہ چلے گا کہ کون سا طِب صحیح ہے۔ مجھ کو کس قدر اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری دیسی طِب کی بے عزتی ہو جائے۔ آپریشن کے وقت بھی میں کسی قدر تشویش میں تھا لیکن شکم چاک کرنے پر حکیم اجمل خان کی تشخیص صحیح نکلی اور ڈاکٹر بائیڈ نے نہایت فیّاضی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ حکیم صاحب کو اُن کی کامیابی پر مبارک باد دی، حکیم صاحب کو اور مجھ کو اپنے گھر ڈِنر کے لئے لے گئے۔ حکیم صاحب اور مجھ پر بھی بائیڈ کی اِس علم شناسی، قدر دانی اور خوش خلقی کا بہت اثر ہوا۔"

اِس طرح کے کئی اور بھی اہم واقعات ہیں جن میں مرحوم لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر سر محمد اقبال اور پیرس کی ایک مریضہ کے پیٹ میں شدید درد رہا کرتا تھا اور اُس کی ٹانگیں سکڑ گئی تھیں جن سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھی۔ اُن سب کا کامیاب علاج حکیم اجمل خان نے کیا اور وہ صحت یاب ہو گئے۔ حکیم صاحب کی زندگی اِس مصرع کی تعبیر تھی کہ:

؎ مری زندگی یہی ہے کہ ہر اک کو فیض پہنچے

حکیم صاحب کی زندگی ایک سمندر سے تعبیر تھی اور اُن کی حیات کا ہر پہلو ایک اُمڈتے ہوئے طوفان کی طرح تھا۔ اُن کی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ بیش قیمت تھا اور وہ اُن قیمتی لمحات کے صحیح استعمال کے لئے ہمہ وقت بے قرار رہتے تھے۔ طِب کی بساط سے اُٹھتے تو سیاست کا گھوڑا تیار ملتا، سیاست کی ناؤ سے اُترنے کا اِرادہ کرتے تو قوم کا غم اُنہیں ایک دوسری سمت کی طرف چلنے پر مجبور کرتا۔ اِنہی کوائف میں حکیم صاحب کے شب و روز کا پہیہ گھومتا تھا اور وہ شب و روز مصروفِ عمل رہتے!(۴)

خلافتِ عثمانیہ کا زوال اور تحریکِ ترکِ موالات

۱۹۱۲ء میں خلافتِ عثمانیہ کے خلاف جو جنگ شروع ہوئی اُس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی اور ہندو آبادی نے بھی اِس خطرہ کو محسوس کیا جو سامراجی حکومتوں کی اِس دست درازی سے تمام ایشیائی اقوام کے لئے پیدا ہو رہا تھا۔ اِن حالات میں مسلم لیگ کے لیڈروں کا نقطۂ نظر کانگریسی سیاسی تحریک سے قریب تر ہونے لگا۔ اب وہ فرقہ وارانہ مسائل کے میدان سے آگے بڑھ کر ملکی سیاست کی جانب اپنا رُخ بدلنے لگے۔ اگست ۱۹۱۲ء جنگ یورپ کے اعلان کے بعد اجمل خان، مولانا محمد علی جوہرؔ اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ نے محسوس کیا کہ اِس وقت برطانیہ کی مدد کرنا خود اپنے ملک کی مدد کرنا ہے، چنانچہ دہلی کے ٹاؤن ہال میں اظہارِ وفاداری کے لئے جو جلسہ منعقد ہوا اُس میں مذکورہ رہنماؤں نے اہلِ ملک کو وفاداری اور تعاون کی تلقین کی اور پھر امدادی کاموں میں مصروف ہو گئے لیکن جنگ کے انقلابی حالات ممالکِ اِسلامیہ کے مصائب نے مغربی تہذیب و تمدُّن کا اعتبار اُن کی نظروں سے گرا دیا۔ آخر کار اجمل خان ۱۹۱۵ء میں امدادی جنگ کی جدوجہد سے تقریباً کنارہ کش ہو گئے۔ اِسی سال کے آخر میں کانگریس اور لیگ کے لیڈروں نے طے کیا کہ جنگ کے بعد دنیا میں جو نظام قائم ہونے والا ہے اس میں ہندوستان کی سیاسی حیثیت کا تعیُّن کر لینا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں وائس رائے کے لیجس لیٹو کاؤنسل (Legislative Council) کے ۱۹ اراکین نے ایک متفقہ مطالبہ پیش کیا جس کی تائید کانگریس اور لیگ نے کی اور اُسی سال دسمبر میں لیگ اور کانگریس کے اجلاس ایک نئی جگہ لکھنؤ میں منعقد ہوئے اور اُن میں ایک ایسا متفقہ دستور العمل تیار کیا گیا جو عرصہ تک ہندوؤں و مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کی دستاویز سمجھا جاتا رہا، مسیح الملک حکیم اجمل خان کی سیاسی زندگی کی تعمیر میں یہ سمجھوتہ ایک سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِس کے بعد تحریکِ ترکِ موالات کا آغاز ہوا تو اجمل خان پوری طرح اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کا آخری ہفتہ کلکتہ میں قومی جوش و خروش کے مظاہروں کا عجیب و غریب مشاہدہ تھا، اجمل خان کانگریس اور لیگ کے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ اب وہ سیاسی زندگی کے اُس دور میں داخل ہو چکے تھے جہاں کوئی بھی اجتماع، کانفرنس یا اِجلاس اُن کے بغیر نامکمّل سمجھا جاتا تھا۔ غالباً پہلی دفعہ اُسی

موقع پر اجمل خان اور گاندھی جی ایک دوسرے کے قریب ہوئے۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں اجمل خان نے مجلسِ استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پیش کیا اُس میں بیک وقت ملک کے سیاسی مسائل اور مسلمانوں کے مذہبی امور کا توازن قائم رکھا گیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں علی برادران کی رہائی کے ساتھ ساتھ اجمل خان کی سیاسی زندگی کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا اور گاندھی جی اپنے دستور العمل کو اہلِ ملک کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ ۶/ فروری ۱۹۱۹ء کو رولٹ بل کاؤنسل میں پیش ہوا تو اِس سیاہ قانون کے خلاف گاندھی جی نے ستیہ گرہ کا اعلان کر دیا۔ نیز دہلی میں اجمل خان اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ ہڑتال میں شریک رہے۔

اِجلاسِ خلافت کانفرنس اور سودیشی تحریک کا آغاز

اِسی دوران ایک طرف جلیاں والا باغ کے حادثہ میں جنرل ڈائر کے قتلِ عام نے ہندوؤں و مسلمانوں کو بے چین کر دیا تھا تو دوسری طرف خلافت کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لئے سخت تردُّد کا باعث بن گیا تھا۔ چنانچہ اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے خلافت کانفرنس کے نام سے ایک عظیم الشّان جلسہ منعقد کیا اور اُس میں یہ اعلان کیا کہ اگر ترکی اور مسئلۂ خلافت کے مسائل مسلمانوں کی عام خواہشات کے خلاف طے ہوئے تو مسلمان انگریزی مال کا بائیکاٹ کریں گے اور حکومت کے ساتھ اتحاد و عمل کی پالیسی کو بھی ترک کر دیں گے اور اگلے ماہ جب لیگ اور کانگریس کے اِجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے تو اجمل خان لیگ کے صدرِ جلسہ تھے۔ اِس موقع پر اُن کا خطبۂ صدارت واقعاتِ پنجاب اور ہندو مسلم اتحاد کے باب میں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جسے بجا طور پر ہندوستان کی سیاسی جدوجہد کا اور خود اجمل خان کی سیاسی زندگی کا دورِ عروج کہا جا سکتا ہے، مارچ ۱۹۲۰ء میں آپ نے ملک کے تمام ہندو مسلم لیڈران کو دہلی مدعو کیا۔ کئی دِنوں تک غور و فکر ہوتا رہا، آخر کار اپریل ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی نے حکومت کے مقابلہ پر اعلانِ جنگ کر دیا۔ اِس موقع پر سب سے پہلے حکیم صاحب نے اپنا خطاب "حاذق الملک" اور "تمغۂ قیصر ہند" حکومت کو واپس کر کے حاکمانہ جبر و تشدُّد کے خلاف اپنے رنج اور بیزاری کا اظہار کیا جس کے بعد تمام لوگوں نے سرکاری خطابات واپس کرنے شروع کر دیئے۔ اِس کے چند ہی دِنوں بعد جمعیۃ العلمائے ہند کے اِجلاس کانپور میں آپ کو مسیح الملک کا خطاب دیا گیا۔ آخر کار ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء کو یومِ خلافت کے نام سے ملک کے ہر گوشے میں ہڑتال ہوئی اور اِسی ہڑتال سے تحریکِ ترکِ موالات کا آغاز ہوا۔ اِس دوران ملک کے مختلف گوشوں سے ہندوؤں و مسلمانوں کے جھگڑوں کی خبریں آنا شروع ہوئیں۔ اِن میں آپ نے دونوں فرقوں کے درمیان صلح کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ نومبر میں آپ اور علی برادران نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اربابِ کار کو مشترکہ مکتوب میں لکھا کہ گورنمنٹ کی امداد لینا بند کر دیں لیکن وہ اِس پر راضی نہ ہوئے۔ البتہ طلباء سے براہِ راست اپیل کرنے پر چھ سو برافروختہ طلباء نے مسلم یونیورسٹی چھوڑ دی۔ نتیجتاً اُن کی تعلیم کے لئے آپ کی تجویز کے مطابق علی گڑھ میں جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے نام سے ایک اِدارہ قائم کیا گیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ دیوبندی اس دوران سخت علیل تھے لیکن اِس حالت میں آپ علی گڑھ تشریف لائے اور جامعہ ملّیہ اِسلامیہ (جو بعد کو دہلی منتقل ہو گئی) کا افتتاح آپ کے مبارک ہاتھوں سے کرایا گیا۔

دراصل حکیم صاحب کے سنہری خوابوں میں سے ایک خواب جامعہ ملّیہ اِسلامیہ کا قیام بھی تھا جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر ہوا۔

علی گڑھ میں سر سیّد احمد خان بہادر کا محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ایک بڑی یونیورسٹی بننے کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اِدھر حکیم اجمل خان جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے بہت سی قربانیاں دینے میں لگے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر سلیم الزّماں صدیقی اور ایک غیر مسلم اسکالر (غالباً گرگ صاحب) تینوں کو اپنے ذاتی مصارِف پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمنی بھیجا تاکہ وہاں سے واپسی کے بعد وہ جامعہ کے کاموں میں حکیم صاحب کا ہاتھ بٹا سکیں۔ یہ اُن دِنوں کی بات ہے کہ جب امریکی اور برطانوی اعلیٰ تعلیم ابھی نوزائیدہ تھی اور اُس دور میں ہر سو تعلیم و ترقی اور ٹیکنالوجی میں فرانس اور جرمنی کا شہرہ تھا۔ اِن

لوگوں کو حکیم صاحب نے ۷۵ روپے ماہانہ تعلیمی خرچہ کی رقم کے بطور اپنے جیبِ خاص سے دیا۔ جب یہ لوگ اپنی تعلیم پوری کر کے ہندوستان واپس آئے، اُس وقت تک حکیم صاحب کے جامعہ کا کام کافی ترقی پا چکا تھا۔ جامعہ کے لئے حکیم صاحب کی بڑی قربانیاں ہیں۔ پورے عملہ کو وہ اپنی جیبِ خاص سے تنخواہیں دیتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کالج کے منشی نے حکیم صاحب کو آکر بتایا کہ اِس ماہ ملازمین کو مشاہرہ دینے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ خزانہ خالی ہے، فنڈز میں پیسے نہیں ہیں۔ اُس وقت حکیم صاحب نے ذرا توقف فرمایا، پھر اپنی ہیرے کی ایک انگوٹھی اُتار کر منشی کے حوالہ کی جس کو فروخت کر کے تمام عملہ کی تنخواہیں دی گئیں اور اُس میں سے جو کچھ روپے بچ رہے اُن کو بھی داخل دفتر کروادیا۔ اُس زمانہ میں حکیم صاحب کی یہ انگوٹھی ساڑھے چار ہزار روپے میں فروخت ہوئی تھی جو اُس زمانہ کی ایک خطیر رقم تھی۔ اِس واقعہ سے حکیم صاحب کی اولوالعزمی اور اُن کے ایثار کا پتہ چلتا ہے۔

گردشِ ایّام اور وقت کی ستم ظریفی کہیے کہ حکیم صاحب کئی دوسری مصروفیات میں لگ گئے اور اپنے سینچے ہوئے پودے کو تناور درخت بنتا نہ دیکھ سکے اور تاریخ کے اوراق سے رفتہ رفتہ اُن کا نام مٹنے لگا اور جامعہ ملّیہ اِسلامیہ پر دوسرے لوگوں کا تسلُّط بڑھتا گیا اور اب حالت یہ ہے کہ آج کا ایک بڑا طبقہ جامعہ ملّیہ اِسلامیہ سے حکیم صاحب کے علاقہ کو تسلیم کرنا تو درکنار وہ حکیم صاحب کی ساری قربانیوں کو بھی یکسر فراموش کر چکا ہے اور جامعہ کو حکیم صاحب سے کیا نسبت ہے، اِس سے لاعلم ہے۔ (۱۳)

کانگریس کمیٹی کی صدارت اور مکمل آزادی کا تصوّر

۱۹۲۱ء میں حکومت نے کانگریس کے صدر سی۔ آر۔ داس کو گرفتار کر لیا تو گاندھی جی اور رفقائے کار نے کانگریس کی صدارت آپ کے سپرد کر دی۔ آپ کی صدارت میں کانگریس نے انفرادی سول نافرمانی کی تجویز منظور کی اور عوامی ادائیگی ٹیکس کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کانگریس کے اِس اجلاس کا اہم ترین واقعہ یہ تھا کہ پہلی دفعہ مولانا حسرت موہانی نے ہندوستان کی ''مکمّل آزادی'' کا مطالبہ کانگریس اور خلافتِ کانگریس کے سامنے پیش کیا۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں کرملی امینڈمنٹ ایکٹ کے خلاف سِول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ آپ دیگر رفقاء کے ساتھ والنٹیرس کی بھرتی میں ہمہ تن مصروف رہے اور تقریباً ۳۵۰۰۰ والنٹیرس تیار کئے، لیکن جب کچھ ہی دِنوں کے بعد ایک موقع پر پولیس اور پبلک کے درمیان تصادم میں پبلک کی جانب سے تشدُّد کی خبر ملی تو گاندھی جی نے اُس پروگرام کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اِسی دوران حکومت نے گاندھی جی کو ۶ سال کے لئے قید کر دیا۔ گاندھی جی نے گرفتاری کے بعد اپنے تمام اختیارات آپ کی طرف منتقل کر دیئے۔ اپریل ۱۹۲۲ء میں ملک میں پھر فرقہ وارانہ فسادات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا، گو کہ آپ ان حالات سے بہت بیزار ہو چکے تھے، لیکن آپ نے ہندو و مسلم اتحاد کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ ۱۹۲۴ء میں قومی سیاسی میدان سے آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ سیاست سے آپ کی دلچسپی بہت کم ہو گئی اور صحت بھی بہت گر چکی تھی، لہٰذا اپنے مرض سے متعلق مشورہ کرنے کے لئے یورپ کے سفر کا فیصلہ کیا اور وہاں سے جب واپس ہوئے تو ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جامع مسجد کے جلسہ میں حالاتِ سفر بیان کرتے ہوئے آپ نے ملک کو یہ پیغام دیا کہ اِس سفر میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دِن ایشیا ضرور آزاد ہو گا۔

حکیم اجمل خان کے احوال و آثار

واقعہ یہ ہے کہ حکیم اجمل خان کی تہہ در تہہ شخصیت جدید ہندوستان کی سیاسی و سماجی معمار ہونے کے ساتھ ساتھ یونانی طِب کی ترجمان اور طبِّ یونانی میں تحقیق و تجدید کی علمبردار بھی ہے کیونکہ جملہ شکوک و شبہات سے بالاتر حکیم صاحب ایک وسیع طبّی و سیاسی ذہن رکھتے تھے، وہ ایک طرف مسلم لیگ کے سرگرم رکن اور نائب صدر تھے تو دوسری طرف خلافت تحریک اور تحریک عدم موالات کی روحِ رواں تھے۔ ایک طرف وہ اگر ہندوستان کی جنگِ آزادی میں پیش پیش رہے تو دوسری طرف طبِّ یونانی میں تحقیقات کی نئی راہوں

کے سرخیل بھی رہے۔ اُنہوں نے ادویہ و معالجہ کے فن کو ایک نئی سمت دی۔ حکیم صاحب کی بیش بہا قیّم خدمات ماضی سے لیکر تادمِ تحریر ایک مشعلِ راہ کا کام دے رہی ہیں اور امید ہے کہ مستقبل میں بھی برادرانِ وطن کو اُس سے رہنمائی ملتی رہے گی۔

ہندوستانی دواخانہ اور دیگر اِدارہ جات کا قیام

(1) مفرد دواؤں کی بہم رسانی اور مرکب دواؤں کی تیاری کے لئے حکیم واصل نے "یونانی اینڈ ویدک میڈیسن کمپنی" قائم کی تھی۔ یہ کمپنی حکیم واصل اور حکیم اجمل دونوں کے مشترکہ سرمایہ سے قائم ہوئی تھی۔ یہی بعد میں ہندوستانی دواخانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء سے اِس کی نگرانی حکیم اجمل خان کے ذمّہ آئی۔

(2) جاہل اور ناواقف دائیوں کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا تھا۔ اُس کے تدارک کے لئے حکیم صاحب نے ۱۹۰۶ء میں "مدرسہ دائیاں" کی تحریک چلائی۔ بعد میں "مدرسہ طبِیّہ زنانہ" کے نام سے اِس کا قیام عمل میں آیا اور ۱۳ جنوری ۱۹۰۹ء کو پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر بہادر کی اہلیہ ایڈتھ ڈین کے ہاتھوں اُس کا افتتاح ہوا۔

(3) طبِّی تعلیم کے لئے حکیم عبد المجید نے ۱۸۸۲ء میں "مدرسہ" قائم کیا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد اِس کے استحکام کی ذمّہ داری حکیم واصل کے سر آئی اور اُن کے بعد حکیم اجمل خان اِس کے ذمّہ دار ہوئے۔ حکیم صاحب نے مدرسہ کو کالج کی شکل میں ترقی دینے کا منصوبہ بنایا اور بہت سے اہلِ خیر نے مالی تعاون پیش کیا۔ چنانچہ مئی ۱۹۱۰ء میں "انجمنِ طبِیّہ" قائم ہوئی اور ستمبر ۱۹۱۰ء میں مدرسہ طبِیّہ، شفاخانہ زنانہ اور ہندوستانی دواخانہ کو انجمن نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں انجمن اپنے تمام صیغوں کے ساتھ بورڈ آف ٹرسٹیز، آیورویدک اینڈ یونانی طبِّی کالج دہلی میں منتقل کر دی گئی۔ ۱۹۱۱ء میں انگلینڈ سے واپس آکر آپ نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ہندوستانی دواخانہ اور مدرسہ طبِیّہ میں چند اہم اصلاحات کیں۔

(4) ۱۹۱۰ء میں آپ نے آل اِنڈیا آیورویدک اینڈ یونانی طبِّی کانفرنس قائم کی۔ اِس کا پہلا اِجلاس ۲۶ نومبر ۱۹۱۰ء کو دہلی میں ہوا جس کا مقصد میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ کے خلاف احتجاج کرنا تھا جس کی رو سے گورنمنٹ نے صرف اُسی شخص کو علاج و معالجہ کی اِجازت دی تھی جو یورپ و ہندوستان کی کسی مُسلّم یونیورسٹی سے سند یافتہ ہو۔ بالآخر طویل کوششوں، ملک گیر احتجاج اور آئینی طریقے اپنا کر حکیم صاحب یہ ایکٹ منسوخ کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

حکیم صاحب نے مدرسہ طبِیّہ کی توسیع کے لئے قرول باغ میں ایک بڑا رقبہ زمین کا حاصل کر کے ۲۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل سے طبِیّہ کالج کا سنگِ بنیاد نصب کرا دیا۔ اِس کے بعد جب کالج کی شاندار عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی تو ۱۹۲۱ء میں اُس کا افتتاح مہاتما گاندھی کے ہاتھوں ہوا۔

(5) مدرسہ طبِیّہ سے حکیم واصل نے "مجلّہ طبِیّہ" کے نام سے ایک رِسالہ جاری کیا تھا۔ اُن کے بعد کچھ دِنوں تک وہ حکیم اجمل خان کی زیرِ سرپرستی نکلتا رہا۔ اِس میں طبِّی و علمی مقالات شائع ہوتے تھے۔ بعد میں وحسب دستور زمانہ بند ہو گیا۔

(6) ۱۹۲۶ء میں حکیم صاحب نے کالج میں ریسرچ کا شعبہ قائم کیا جس کا مقصد طبِّی نصاب کی قدیم کتابوں کی تنقیح اور ادویۂ مفردہ کی جدید سائنسی اصولوں کے مطابق جانچ اور تحلیل و تجزیہ تھا۔

عربی کتب کی فہرست سازی

حکیم اجمل خان کو مطالعہ کا از حد شوق تھا۔ قیامِ رامپور کے زمانہ میں اُنہیں اپنے اِس علمی ذوق کی آبیاری کا ایک وسیع میدان ہاتھ آیا، کیونکہ نواب صاحب نے ۱۸۹۶ء میں ریاست کے قدیم اور بے مثال کتب خانہ کا اہتمام بھی حکیم اجمل خان کے سپرد کر دیا تھا اور اُنہیں

اِس کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ حکیم اجمل خان کا ایک اہم علمی کارنامہ یہ تھا کہ اُنہوں نے کتب خانہ کی عربی کتابوں کی فہرست تیار کروائی اور اُسے طبع کرایا۔ یہ کیٹلاگ "فہرست کتب عربی جلد اوّل موجودہ کتب خانہ ریاست رامپور" کے نام سے مطبع احمدی کوچہ لنگر خانہ رامپور سے مئی ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اِس کی دوسری جلد ۱۹۲۸ء میں حافظ احمد علی خاں (۱۸۶۳۔۱۹۳۳ء) ناظم کتب خانہ ریاست رامپور کی نگرانی میں شائع ہوئی۔ (۱،۵)

حکیم اجمل خان کی عربی طبّی تصانیف

حکیم اجمل خان تعلیم سے فراغت کے بعد جب نواب رامپور محمد حامد علی خان بہادر (متوفی ۱۹۳۰ئ) کے یہاں طبیبِ خاص ہوئے تو اُنہوں نے مختلف علوم وفنون میں قدماء کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کیا۔ طِب کے مصادر ومراجع سے بھی استفادہ کیا۔ قیامِ رامپور کے زمانہ میں اُنہوں نے تصنیف وتالیف کا خاصا کام انجام دیا اور طبّی موضوعات پر متعدد رِسالے لکھے۔ (۵)

یہ طبّی رسائل اپنے حجم کے اعتبار سے اگرچہ مختصر ہیں مگر موضوع اور مباحث کے اعتبار سے بڑے وقیع ہیں اور اُن سے حکیم صاحب کی تحقیقی شان نمایاں ہوتی ہے۔

۱۔ القول المرغوب فی الماء المشروب:

اِس رسالہ میں شیخ الرّئیس ابنِ سینا (۳۷۰۔۴۲۸ھ / ۹۸۰۔۱۰۳۷ء) کی کتاب "القانون فی الطِب" کی ایک بحث کی شرح کی گئی ہے۔ یہ حکیم صاحب کی پہلی تصنیف ہے، جسے اُنہوں نے ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں اُس وقت تحریر کیا تھا جب وہ اپنے بڑے بھائی حکیم عبد المجید خاں (۱۸۵۰۔۱۹۰۱ء) سے طِب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حکیم صاحب خود فرماتے ہیں:

"جس زمانہ میں میں نے یہ رِسالہ تصنیف کیا تھا اُس وقت القانون کا کچھ حصہ اور شرح اسباب کا بیش تر حصہ پڑھ چکا تھا۔" اِس رِسالہ میں حکیم صاحب نے ابنِ سینا کی بعض عبارتوں کی تشریح کی ہے، پھر اطباء کے متّفق علیہ خیال کہ "شوربا کے پانی سے تغذیہ ہوتا ہے" تردید کی ہے۔

۲۔ التحفۃ الحامدیۃ فی الصناعۃ الکلیسیۃ:

ہندوستانی اطبّاء کے درمیان کشتہ جات کے استعمال یا عدم استعمال کے سلسلہ میں اختلاف رہا ہے۔ خاص طور سے لکھنؤ کے اطباء اُن کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ کشتہ جات طبیعت انسانی کے لئے مضر ہیں، اِس لیے اُن سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اِسی طرح بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ طِب کی تاریخ میں کشتہ سازی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ ویدوں کی ایجاد ہے۔ اِس رِسالے میں حکیم اجمل خان نے اِسی خیال کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ کشتہ سازی یونانی اطباء ہی کی ایجاد ہے، اُن سے بہت اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں، اِس لئے اُن کا استعمال ممنوع نہیں۔ ۳۲ صفحات کا یہ رِسالہ ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کا انتساب حکیم صاحب نے نواب رامپور محمد حامد علی خان بہادر کی جانب کیا ہے۔ نام کے پہلے جزء التحفۃ الحامدیۃ کی وجہ تسمیہ یہی ہے۔

یہ رِسالہ ایک مقدمہ، دو ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

۳۔ البیان الحسن بشرح المعجون المسمّی باکسیر البدن

حکیم اجمل خان کے جدِ امجد حکیم شریف خان دہلوی (۱۷۲۵ئ۔۱۸۰۷ء) کی علاج الامراض کے نام سے ایک قرابادین ہے۔ اِس میں ایک مرکب معجون اکسیر البدن کا بھی تذکرہ ہے، جو معجون لَنا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معجون خود حکیم شریف خان کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اِس کا جزء خاص حب الغراب ہے۔ حکیم شریف نے اپنی کتاب میں اِس دوا کا نام صراحت سے ذکر نہ کر کے پہیلی کے انداز پر کیا

ہے۔ چنانچہ اِس کے حروف کی تعداد، طریقِ ابجد کے مطابق اُن کی گنتیاں اور اُن میں ضرب، تقسیم، جمع کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے اِس رِسالہ میں اِس معجون کے بارے میں حکیم شریف کی پہیلی کو حل کیا ہے اور اُن کے بیانات کی تشریح کی ہے۔(۵)

۴۔ اوراق مزھرۃ مُغرۃ:

یہ رِسالہ چند طبّی استفسارات اور حکیم اجمل خان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اِسے حکیم محمد اِبراہیم بن الحاج مولوی ریاض الحق رمضان پوری نے مرتب کیا ہے۔ اُنہوں نے ہی مختلف طبّی مسائل میں حکیم اجمل خان سے جواب دینے کی درخواست کی تھی۔ چوبیس صفحات کا یہ رِسالہ مطبع احمدی رامپور سے ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں یہ جی اینڈ سنس پریس دہلی سے بھی طبع ہوا۔

۵۔ الساعاتیۃ:

طبّی کتب میں حلاوت کو دیگر ذائقوں کے مقابلے میں افضل قرار دیا گیا ہے۔ اِس رِسالے میں حکیم صاحب نے اِس عام نظریہ پر تنقید کی ہے۔ اِسے اُنہوں نے صرف ایک گھنٹے میں برجستہ اِملا کرایا تھا۔ یہی اِس کی وجہ تسمیہ ہے۔ اِس کو اِملا کراتے وقت حکیم صاحب کے پیشِ نظر کوئی طبّی کتاب نہیں تھی۔ چھ صفحات کا یہ رِسالہ جسے اُنہوں نے ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں اِملا کرایا تھا، ایک دوسرے رِسالے "القول المرغوب فی الماء المشروب" کے ساتھ "ھٰذا ما تیسّر لی" نامی کتابچہ کی صورت میں ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں مطبع احمدی رامپور سے شائع ہوا تھا۔

۶۔ الوجیزۃ:

یہ رِسالہ کلیاتِ قانون ابنِ سینا کی بحث "نبض مستوی و نبض مختلف" کی شرح پر مشتمل ہے۔ اِسے حکیم اجمل خان نے اپنے صاحبزادے حکیم محمد جمیل خان اور بعض دوسرے تلامذہ کے درس کے دوران تحریر کیا تھا۔ (اِس رِسالے کی اِشاعت ۱۳۳۵ھ بہ مطابق ۱۹۱۶ء میں ہوئی ہے)۔

اُنہوں نے لکھا ہے:

"کہ مشغولیات کی وجہ سے طبّی کتب کے درس کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، لیکن جب میرے بیٹے حکیم جمیل خان نے فنِّ طب میں کچھ مہارت حاصل کر لی تو میں نے اُنہیں بعض دوسرے طلباء کے ساتھ، جو دہلی میں اقامت پذیر ہو کر فنِّ طب حاصل کر رہے تھے، درس دینا شروع کیا۔ جب درس کلیاتِ قانون کی بحث "نبض مستوی و مختلف" تک پہنچا تو میں نے اِس کی شرح کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کا اِرادہ کیا، کیونکہ یہ فصل متعلّمین اور معلّمین دونوں کا مرکزِ توجہ بنی رہتی ہے۔"

۷۔ مقدّمۃ اللّآت الطبّیّۃ:

یہ رِسالہ اُس دور کا تصنیف کردہ ہے جب حکیم صاحب نواب رامپور عالی جناب محمد حامد علی خان بہادر کے یہاں طبیبِ خاص تھے، اِس لئے اِس کا انتساب اُنہوں نے نواب صاحب کی جانب کیا ہے، البتہ اِس کی اِشاعت بعد میں ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے ہوئی۔

علمِ طب کے موضوع پر آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی تحریروں میں تشریح طلب طبّی مسائل کو جدید افکار و خیالات کی روشنی میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ طِب کی شناخت اور اُس کی بنیادی قدروں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آپ طِب میں تقلید اور جمود کے سخت مخالف تھے۔ حکیم صاحب نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اطبّاء کے ایسے بہت سے نظریات کی تردید اور مخالفت کی ہے۔

۸۔ المسائل الخمسہ:

حکیم صاحب نے طِب کے پانچ مسائل یعنی ایامِ بحران، عفونتِ خلطِ صفرا، خلطِ صفراء کے تلخ ذائقہ، داخل عروق اخلاط کے تعفّن اور غذائے مطلق کے وجود کے بارے میں جمہور اطباء سے اختلاف کیا اور دیگر امور کے متعلق قدیم و مُسلّمہ نظریات کی تردید کی۔ اُن کی یہ اختلافی تحریر کسی علیحدہ رِسالہ کے بجائے حکیم فیروز الدین کی کتاب رموز الاطبا میں ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اُن کی دوسری تالیفات کے مقابلہ میں طِب کے علمی حلقہ میں اِس پر زبردست ردِّ عمل ہوا اور اِس کی تائید و تردید میں رسائل کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ طِب کے مناظرانہ ذخیرہ میں یہ رسائل بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان

سے اُس دور کے علمی ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔ اِن مسائل خمسہ کی تنقید میں حکیم حافظ عبد المجید لکھنوی نے ۱۹۱۲ء میں ''ابانۃ المحجۃ لمن سلک الطریقۃ

المعوّجۃ'' لکھا۔ حکیم محمد عبد اللہ رامپوری نے ۱۹۱۳ء میں تقویم الادویہ اور حکیم ایوب اسرائیلی نے اقوم الدّلائل علی خمسۃ مسائل فاضل لکھنوی کے

جواب میں شائع کیں۔ حکیم عبد اللہ نگینوی اور حکیم فرید احمد عبّاسی نے اجمل خان کی تائید میں مضامین لکھے۔

حکیم اجمل خان کے یہ رِسالے سلیس عربی میں اور شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے الفاظ میں ''اُن میں سلاستِ بیان، حریتِ رائے، اصابتِ فکر اور وسعتِ نظر کی وہ تمام خصوصیات جمع ہیں جو ایک بہترین مُصنّف کا حصہ ہو سکتی ہیں۔''

۹۔ رِسالہ طاعون:

۱۸۹۵ء میں ملک میں طاعون کی وبا اِس طرح پھیلی کہ ہزاروں جانیں اِس کی نذر ہوئیں۔

اُنہوں نے عام لوگوں کی معلومات اور استفادہ کے لئے طاعون پر اُردو میں یہ رِسالہ تصنیف کیا۔ اِس میں تاریخی پس منظر کے ساتھ اسباب و علامات اور علاج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ معالجات کے ذیل میں خاندانی معمولات بھی درج کئے ہیں۔ یہ رِسالہ متعدد بار طبع ہوا ہے۔

۱۰۔ حاذِق:

اجمل خان کی علمی یادگاروں میں ایک قابلِ قدر تصنیف 'حاذق' بھی ہے۔ یہ اُردو میں معالجات کی ایسی مختصر اور مفید کتاب ہے جس سے اُن کے اندازِ مطب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور طالبانِ فن کو مطب کے رموز اور کامیاب معالجہ سے عہدہ برآ ہونے کے نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱۱۔ افاداتِ مسیح الملک:

اجمل خان کے شاگرد حکیم نذر احمد خان نے ان کے علاجی واقعات اور کلینکی مشاہدات کو اِفاداتِ مسیح الملک کے نام سے شائع کیا ہے۔ سریریات اور قصص و حکایاتِ مرضیٰ کے سلسلہ کی اُردو میں یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔ اس میں مریض کی رودادِ مرض و تجویز اور علاجی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔

۱۲۔ مسائل طِبّیہ اجتھادیۃ:

حکیم اجمل خان نے پانچ طبّی مسائل میں تمام اطباء سے اختلاف کیا ہے۔ آپ کے نزدیک بحران کا اجرام سماوی کی طرف انتساب صحیح نہیں۔ حمی صفراوی کا کوئی وجود نہیں۔

اخلاط اندرونِ عروق متعفن نہیں ہوتے۔ صفراء کا مزہ تلخ نہیں ہوتا اور غذائے مطلق کا کوئی وجود نہیں۔ اِن کے علاوہ کچھ اور رسائل بھی آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔

حکیم اجمل خاں کی غیر مطبوعہ تصانیف

حکیم اجمل خاں کے سوانح نگاروں نے اُن کی بعض ایسی تصانیف کے نام لکھے ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے ہر تصنیف پر کام چند صفحات سے آگے نہ بڑھ سکا تھا اور وہ صفحات بھی حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ وہ تصنیفات درجِ ذیل ہیں:

۱۔ رِسالۃ فی ترکیب الادویۃ واستخراج دَرجاتھا۔

۲۔ المحاکمۃ بین القرشی والعلامۃ۔

۳۔ حاشیۂ شرح الاسباب (الٰی مبحث السرسام)۔

۴۔ اللُّغات الطبّیہ۔

آپ کی مذکورہ تصانیف کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ طِب میں تقلید اور جمود کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اطبّاء کے ایسے بہت سے نظریات کی تردید کی ہے جو عرصہ دراز سے متّفق علیہ چلے آ رہے تھے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اطبّائے قدیم کی تقلیدِ محض طِب کی ترقی میں سدِراہ ہے۔ اِس لئے آپ نے طِب کی اصلاح اور تجدید پر بہت زور دیا۔ طِب کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لئے آپ کس نہج سے سوچتے تھے اِس کا اندازہ آپ کے درجِ ذیل اقوال سے ہو سکتا ہے:

اِس امر کی نہایت ضرورت ہے کہ موجودہ زمانے میں جو ترقی ہو رہی ہے ہم اُس کے پہلو بہ پہلو اپنی طِب کو ترقی دیں۔ ایک زمانہ گزر گیا، دنیا کے علوم کہیں سے کہیں پہنچ گئے لیکن ہم نے ذرّہ برابر ترقی نہیں کی۔ ترقی کرنا تو درکنار ہم اُلٹے روبہ تنزُّل ہیں۔ سچائی خواہ مشرِق میں ہو یا مغرب میں وہ تمام دنیا کی مشترک ملکیت ہے اِس لئے ہمارا حق ہے کہ ترقی جہاں کہیں بھی ہو اُس کو حاصل کریں۔

ہمارے مروّجہ طبّی نصاب میں ایسے بے شمار منطقی اور فلسفیانہ دلائل موجود ہیں جن کو طِب سے علیحدہ کرنا ضروری ہے اُن کے بجائے وہ مفید اِضافات شریک کرنے کی ضرورت ہے جن کو آج کل ہندوستان اور یورپ کے بڑے بڑے ماہرین نے اِس شعبہ میں تحقیقات کر کے معلوم کیا ہے۔

آپ نے طبّی نصاب کی کتابوں کی اصلاح کی جانب توجہ دی، نیز طبِّیہ کالج میں اُس وقت جو نصاب چل رہا تھا اُس کو زمانہ کے مطابق بنایا اور اِنہی کی کوششوں کی بدولت ۱۹۲۷ء میں نصاب پر نظر ثانی کے لئے دہلی، لاہور اور لکھنؤ میں تین کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ طبِّ یونانی میں علمِ جراحت کو ترقی دینے کے لئے آپ نے جدید سرجری سے استفادہ کی تاکید کی اور ایسی درس گاہوں کے قیام کی طرف توجہ دِلائی جہاں تشریح اور دواسازی کے ساتھ جراحت کی مکمّل تعلیم تربیت کا انتظام ہو۔ یونانی طریقۂ علاج میں جدید طبّی انکشافات اور ترقیات شامل کر کے آپ نے اُس میں جان ڈال دی اور ہندوستانی دواخانہ واقع گلی قاسم جان میں جدید طریقۂ دواسازی کو رائج کیا، یونانی اور جدید سائنسی اصولوں پر تحقیق جاری رکھنے کے لئے آپ نے کالج میں ریسرچ کا شعبہ قائم کیا۔

حکیم اجمل خان کی رحلت

حکیم صاحب کی شب و روز کی مصروفیات، بے شمار مریضوں کی دیکھ بھال اور اُن کے دِلِ درد مند میں سارے جہاں کا درد اُن کی صحت کو برابر متاثر اور قویٰ کو مضمحل کرتا رہا، بالآخر رامپور میں دِل کا شدید دورہ پڑا اور چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر میں ۲۹/ دسمبر ۱۹۲۷ء کی صبح کو سوا دو بجے (A.M2:15.) دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف منتقل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعُون۔ حکیم صاحب کی رحلت کی خبر سُن کر پورے ہندوستان و بیرونِ ہند میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ہر قوم و مذہب کے لوگ سوگوار تھے۔ اِس حادثہ پر بے شمار لوگوں نے تعزیتی تحریریں لکھیں جن میں سے صرف دو ۲ کا اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) موہن داس کرم چند گاندھی کے طویل مضمون کا اقتباس یہ ہے:

"حکیم اجمل خان کی موت نے مجھ سے صرف ایک دانشور اور ثابت قدم شریکِ کار ہی نہیں چھین لیا، بلکہ میں نے ایک ایسا دوست بھی کھو دیا جس پر میں ضرورت کے وقت بھرپور اعتماد کر سکتا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ میں وہ میرے مشیر اور رہنما تھے۔ وہ انسانی فطرت کو خوب پہچانتے تھے اور اِسی صلاحیت نے اُنہیں صحیح قوتِ فیصلہ عطا کی تھی۔ وہ ایک خیالی قسم کے انسان نہ تھے بلکہ وہ اپنے خوابوں کو حقیقت میں تبدیل کرنے کی پوری قوّت اور صلاحیت رکھتے تھے۔"

(۲) حکیم صاحب کے بارے میں سابق صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کے دِلِ فگار جملے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے:

"جو لوگ حکیم اجمل خان سے اپنے مرض کا نسخہ لینا چاہتے ہیں، جو اپنی ملازمت کے خواہاں ہیں، جنہیں اپنے کسی عزیز کی شادی کے لئے روپیہ درکار ہے، جن بیواؤں کی روٹی اُن کی توجہ سے چلتی ہے، جن یتیموں اور ناداروں کی تعلیم کے لئے اُن کے خزانہ سے رقم ملتی تھی، اُن کی تعداد سیکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچتی ہے، اُن کا "اجمل خان" رخصت ہو گیا، مگر طبِّ قدیم کا مجدّد اور طبِّی تعلیم کا رہنما آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"